دلی میں اُنکے قیام کا زمانہ قریب پچاس برس کے معلوم ہوتا ہے۔ اِس تمام مدت میں انھوں نے غالباً یہاں کوئی مکان اپنے لئے نہیں خریدا۔ ہمیشہ کرایہ کے مکانوں میں رہا کیے۔ یا ایک مدت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے رہے تھے۔ جب ایک مکان سے جی اُکتایا اُسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیا۔ مگر قاسم جان کی گلی یا حبش خاں کے پھاٹک یا اُسکے قرب و جوار کے سوا کسی اور ضلع میں جا کر نہیں رہے۔ سب سے اخیر مکان جس میں اُن کا انتقال ہوا حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوانخانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جسکی نسبت وہ کہتے ہیں۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے — یہ بندۂ کمینہ ہمسایۂ خدا ہے

جس طرح مرزا نے تمام عمر رہنے کے لیے مکان نہیں خریدا اسیطرح مطالعے کے لیے بھی۔ باوجودیکہ ساری عمر تصنیف کے شغل میں گذری۔ کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ اِلّا ماشاءاللہ۔ ایک شخص کا یہی پیشہ تھا کہ کتاب فروشوں کی دکان سے لوگوں کو کرائے کی کتابیں لا دیا کرتا تھا؛ مرزا صاحب بھی ہمیشہ اُسی سے کرائے پر کتابیں منگواتے تھے اور مطالعے کے بعد واپس کر دیتے تھے۔

ظاہرا مرزا نے کوئی لمبا سفر کلکتے کے سوا نہیں کیا۔ اِسی سفر کی آمد و رفت میں وہ چند ماہ لکھنؤ اور بنارس میں بھی ٹھہرے تھے۔ کلکتے جانے کا سبب یہ تھا کہ جب مرزا کے چچا نصر اللہ بیگ خاں نے وفات پائی تھی اُس وقت مرزا کی عمر نو برس کی تھی اور اُن کے بھائی کی عمر سات برس کی تھی۔ نصر اللہ بیگ خاں کی وفات کے بعد اُن کے متعلقوں اور وارثوں کے لیے۔ جنمیں مرزا اور اُنکے بھائی بھی شریک تھے۔ جو پنشن گورنمنٹ نے ریاست فیروزپور جھرکہ پر محوّل کر دی تھی جبتک مرزا صغیر سن رہے جو کچھ وہاں سے ملتا رہا پاتے رہے۔ جب سن تمیز کو پہنچے اور شادی بھی ہو گئی۔

عالم شباب اور خانہ داری کی ضرورتیں بہت بڑھ گئیں اور گھر میں جو کچھ اثاثہ تھا وہ بھی چند روز میں سب خرچ ہو گیا؛ لاچار فکرِ معاش دامنگیر ہوئی۔ اول مرزا کو غلط یا صحیح یہ خیال پیدا ہوا کہ فیروزپور سے جس قدر پنشن ہمارے خاندان کے لیے گورنمنٹ نے مقرر کرائی تھی اُس قدر ہمکو نہیں ملتی۔ ضرورتوں نے سخت تنگ کر رکھا تھا؛ اِدھر قرضخواہوں کے تقاضے سے ناک میں دم آگیا تھا؛ اُدھر چھوٹے بھائی کو جنون ہو گیا؛ مرزا جیسے آزاد منش آدمی کے لیے یہ وقت نہایت سخت تھا؛ اُس کشمکش میں اُنکو اِسکے سوا اور کچھ نہ سوجھا کہ کلکتے پہونچکر سوپریم گورنمنٹ میں پنشن کی بابت استغاثہ پیش کریں۔ چنانچہ مرزا اُس حالت کی نسبت ایک خط میں لکھتے ہیں "ہنگامۂ دیوانگی برادر یک طرف، و غوغای دام خواہان یک سو؛ آشوبے پدید آمد کہ نفس راہِ لب، و نگاہ روزنۂ چشم فراموش کرد؛ و گیتی بدیں روشنیِ روشناں در نظر تیرہ و تار شد۔ یا لبے از سخن دوختہ، و چشمے از خویش فرو بستہ، جہاں جہاں شکستگی؛ و عالم عالم خستگی با خود گرفتم؛ و از بیدادِ روزگار نالاں، و سینہ بردمِ تیغ مالاں، بکلکتہ رسیدم"

غرضکہ مرزا کی عمر کچھ کم چالیس برس کی تھی جبکہ وہ لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتے پہنچے۔ کلکتے میں لوگوں نے اُنکی بہت خاطر و مدارات کی اور اُن کو کامیابی کی امید دلائی۔ اسٹرلنگ صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند نے جنکی مدح میں مرزا کا فارسی قصیدہ اُنکے کلیات میں موجود ہے؛ وعدہ کیا کہ تمھارا حق ضرور تمکو ملے گا۔ کول برک صاحب جو اُس وقت دلّی میں رزیڈنٹ تھے اُنھوں نے دلّی ہی میں مرزا سے عمدہ رپورٹ کرنے کا اقرار کر لیا تھا۔ ان امیدوں کے دھوکے میں وہ پورے دو برس کلکتے میں رہے؛ مگر آخر کار نتیجہ ناکامی کے سوا کچھ نہوا۔ گورنمنٹ نے سرجان میلکم

گورنر بمبئی سے۔ جو لارڈ ڈلیک کے سکرٹری رہ چکے تھے، اور اُنھیں کے روبرو جاگیروں اور پنشنوں کی سندیں لوگوں کو ملی تھیں ؛ مرزا کے معاملے کی بابت استفسار کیا۔ اُنھوں نے مرزا کے دعوے کو غلط بتایا اور جس طرح اور جس قدر پنشن فیروزپور سے ملنی قرار پائی تھی اُسکی مفصل کیفیت۔ جو مرزا کے دعوے کے بالکل برخلاف تھی۔ گورنمنٹ میں بھیجدی۔ جب یہاں سے مرزا کو مایوسی ہوئی تو اُنھوں نے ولایت میں اپیل کیا ؛ مگر وہاں بھی کچھ نہ ہوا۔

مرزا صاحب نے گورنمنٹ ہند سے پانچ درخواستیں کی تھیں ؛ ایک تو یہی کہ اُنکے خیال کے موافق جو مقدار پنشن کی سرکار نے مقرر کی ہے وہ آیندہ پوری ملا کرے۔ دوسری یہ کہ ابتک جس قدر کم پنشن ملتی رہی ہے اُسکی واصلات ابتدا سے آج تک ریاست فیروزپور سے دلوائی جائے۔ چونکہ پہلی درخواست نامنظور ہوئی تھی (اس لیے دوسری درخواست کیونکر منظور ہوتی) تیسری درخواست یہ تھی کہ کُل پنشن میں جو حصہ میرا قرار پائے وہ اور شرکا سے علحدہ کردیا جائے۔ چوتھی یہ کہ پنشن فیروزپور سے خزانۂ سرکار میں منتقل ہوجائے ؛ تاکہ رئیس فیروزپور سے مانگنی نہ پڑے۔ (یہ دونو درخواستیں منظور ہوگئیں اور اُنکے موافق اخیر تک عملدرآمد رہا) پانچویں درخواست خطاب اور خلعت کی تھی۔ جہاں تک معلوم ہے کوئی خطاب گورنمنٹ سے مرزا کو نہیں ملا۔ لیکن گورنمنٹ ہند اور لوکل گورنمنٹ سے اُن کو "خانصاحب بسیار مہربان دوستاں" لکھا جاتا تھا۔ اور جب کبھی دلّی میں ویسراے یا لفٹنٹ گورنر کا دربار ہوتا تھا تو اُنکو بھی مثل دیگر رؤسا و عمائدِ شہر کے بلایا جاتا تھا۔ اور سات پارچہ کا خلعت مع جیغہ و سرپیچ و مالاے مروارید کے اُنکو برابر ملتا رہا۔ اور تمام لوکل حکّام اور افسر اُنسے رئیس زادوں کی طرح ملتے رہے۔

کلکتے کے قیام کے زمانے میں کچھ لوگوں نے مرزا کے کلام پر اعتراض کیے تھے اور اپنے اعتراضوں پر قتیل* کا قول سنداً پیش کیا تھا۔ مگر مرزا ہندوستان کے فارسی گو شاعروں میں خسرو کے سوا کسیکو نہیں مانتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں "اہل ہند میں سواے خسرو دہلوی کے کوئی مسلّم الثبوت نہیں ؛ میاں فیضی کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے" اسی لیے وہ قتیل و واقف وغیرہ کو کچھ چیز نہیں سمجھتے تھے۔ اُنھوں نے قتیل کا نام سُنکر ناک بھوں چڑھائی اور کہا کہ میں دلوالی سنگھ فریدآباد کے کھتری کے قول کو نہیں مانتا اور اہل زبان کے سوا کسی کے قول کو قابل استناد نہیں سمجھتا۔ اور اپنے کلام کی سند میں اہل زبان کے اقوال پیش کیے۔ اسپر معترضین میں زیادہ جوش و خروش پیدا ہوا اور مرزا پر اعتراضوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ اگرچہ مرزا کے طرفدار بھی کلکتے میں بہت تھے مگر چونکہ مرزا اعتراض اور مخالفت سے بہت چزبز ہوتے تھے۔ اُنکے گھبرا دینے کو ایک معترض بھی کافی تھا۔ اُنھوں نے تنگ آکر ایک مثنوی موسوم بہ **بادِ مخالف**۔ جس میں اپنی غریب الوطنی کا ذکر اور اہل کلکتہ کی نامہربانی کی شکایت اور اُنکے اعتراضات اور اپنے جواب نہایت عمدگی اور صفائی اور درد انگیز طریقے سے بیان کیے ہیں۔ لکھی۔ یہاں اُس مثنوی کے کچھ کچھ اشعار مختلف مقامات سے نقل کیے جاتے ہیں۔

اے تماشائیانِ بزمِ سخن	وے مسیحا دمانِ نادرہ فن
اے گرانمایگانِ عالمِ حرف	خوش نشینانِ ایں بساطِ شگرف

* مرزا قتیل نو مسلم تھے : اسلام لانے سے پہلے اُن کا نام دلوالی سنگھ تھا، وہ فریدآباد ضلع دہلی کے کھتری تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے جہاں اُن کی نہایت قدر ہوئی ۱۲

اے سخن پرورانِ کلکتہ — وے زباں آورانِ کلکتہ
ہر یکے صدرِ بزم بارگہے — شمعِ خلوت سرائے کارگہے
ہر یکے پیش تازِ قافلۂ — ہر یکے کتخدائے مرحلۂ
اے بہ شغلِ وکالت آمادہ — دادِ غمخوارئ جہاں دادہ
اے شگرفانِ عالمِ انصاف — بسفارت رسیدہ از اطراف
اے سخن را طراز جاں دادہ — صفحہ را ساز گلستاں دادہ
عطر بر مغزِ گیتی افشاناں — پہلوانانِ پہلوی داناں
اے گرامی فنانِ ریختہ گو — نغز در پاکستان عہدہ جو
اے رئیسانِ ایں سوادِ عظیم — وے فراہم شدہ ز ہفت اقلیم
ہمچو من آرمیدۂ ایں شہر — بہرِ کارے رسیدۂ ایں شہر
اَسَدُاللہ بخت برگشتہ — در خم و پیچِ عجز سرگشتہ
گرچہ ناخواندہ میہمانِ شماست — بے سخن ریزہ چینِ خوانِ شماست
بہ تظلّم رسیدہ است اینجا — بامید آرمیدہ است اینجا
آرمیدن دہید روزے چار — خستہ را بہ سایۂ دیوار
کار احباب ساختن رسمست — میہماں را نواختن رسمست
آں رہ و رسمِ کارسازی کو — شیوۂ میہماں نوازی کو
کیستم؟ دل شکستہ غمزدۂ — بیدلے خستۂ ستم زدۂ

برقِ بیطاقتی بجاں زدۂ — آتشِ غم بخان و ماں زدۂ
از گدازِ نفس تباب و تبے — در بیابانِ یاس تشنہ لبے
خسِ طوفانئ محیطِ بلا — سر بسر گردِ کاروانِ فنا
دردمندے جگر گداختۂ — از غمِ دہر زہرہ باختۂ
درِ آگاہیے فنا زدۂ — ہمہ بر خویش پشتِ پا زدۂ
چہ بلاہا کشیدہ ام آخر — کہ بدینجا رسیدہ ام آخر
بہ سیہ روزِ غم تم مبینید — تیرہ شبہائے وحشتم مبینید
اندہ دورئ وطن نگرید — غمِ ہجرانِ انجمن نگرید
نہ ہمیں نالہ و فغاں باہم — من و جاں آفریں کہ جاں بلبم
مویہ چوں موے کردہ است مرا — غصہ بہ خوے کردہ است مرا
ذوقِ شعر و سخن کجاست مرا — کے زبانِ سخن سراست مرا
دارم آرے ز ہرزہ لائی خویش — نوحہ بر خویش و بینوائی خویش
گردشِ روزگارِ خویشتنم — حیرتِ کار و بارِ خویشتنم
با من ایں خشم و کیں!! دریغ دریغ — من چناں تاں چنیں!! دریغ دریغ
بہ غریباں کجا رواست ستم — رحم اگر نیست خود چراست ستم

بندہ ام بندہ مہربانان را — رمز فہمان و نکتہ دانان را

نہ زآویزشش بجاں ترسم　　من و ایمان من کزاں ترسم
کہ پس از من بسالہائے دراز　　بزباں ماند ایں حکایت باز
کہ سفیہے رسیدہ بود ایں جا　　چند روز آرمیدہ بود ایں جا
با بزرگاں ستیزہ پیش گرفت　　زحمتے دا دو راہِ خویش گرفت
شوخ چشمے وزشت خوئے بود　　بیحیائے و ہرزہ گوئے بود
ہم سفیہانہ گفتگوئے داشت　　ہم خراباتیانہ ہوئے داشت
برگ دنیا نہ سازِ دینش بود　　ننگ دہلی و سرزمینش بود
آہ ازاں دم کہ بعد رفتنِ من　　خونِ دہلی بود بگردنِ من
تا بوم رنجِ دوستاں باشم　　بردلِ انجمن گراں باشم
شاد گردند کز میاں بردم　　آہ وخ از من کہ من چناں بردم
خستۂ دستمند برگردم　　دژم آیم نژند برگردم
بود اعم کس از شما نرسد　　شوق را مژدۂ وفا نرسد

دوستاں را اگر زمن گلہ است　　کہ خرامت خلافِ قافلہ است
می رویم از پیِ قتیل ہمہ　　ساختہ مرورا دلیل ہمہ
توازیں حلقہ چوں بدر زدۂ　　گام برجادۂ دگر زدۂ
اے تماشائیانِ نزہت گاہ　　ہاں بگوئید حسبۃً للہ

کہ چساں از حریں بپیچم سر؟　　آں بجادہ دوی بہ ہر سفر
دل دہد کز اسیر برگردم؟*　　زاں نوائیں صفیر برگردم
دامن از کف کنم چگونہ رہا　　طالب و عرفی و نظیری را
خاصہ روحِ روانِ معنی را　　آں ظہوری جہانِ معنی را
آنکہ از سر فرازیِ قلمش　　آسماں ساست پرچمِ علمش
طرزِ اندیشہ آفریدۂ اوست　　در تنِ لفظ جاں دمیدۂ اوست
پشتِ معنی قوی ز پہلویش　　خامہ را فربہی ز بازویش
طرزِ تحریر را نوی از وے　　صفحہ را تنگِ مانوی از وے
فتنۂ گفتگوے اینانم　　مستِ لائے سبوے اینانم
آں کہ طے کردہ ایں مواقف را　　چہ شناسد قتیل و واقف را
لیک با اینہمہ کہ ایں دارم　　گنجِ معنی در آستیں دارم
دل و جانم فداے احباب است　　شوق وقفِ رضاے احباب است
میشوم خویش را بہ صلح دلیل　　می سرایم نواے مدحِ قتیل
تا نماند زمن بدگر گلہ　　رسد از پیروانِ وے صلہ
گفتن آئینِ ہوشیاری نیست　　لیک دانستن اختیاری نیست
گرچہ ایرانیش نخواہم گفت　　سعدیِ ثانیش نخواہم گفت

* یعنی آیا دل اجازت میدہد کہ از اسیر برگردم۔ اہل زبان کا محاورہ ہے کہ دل دہد بجائے ”دل دستوری دہد“ کے بولتے ہیں۔

نیک ازمن ہزار بار بہ است — ازمنِ ہیچ من ہزار بہ است
من کفِ خاک و او سپہرِ بلند — خاک را کے رسد بچرخ کمند
وصفِ او حدِ چون منے نبود — مہر در خورد روزنے نبود
مرحبا سازِ خوشبیانیِ او — حبذا شورِ نکتہ دانیِ او
نظمش آبِ حیات را ماند — در روانی فرات را ماند
نثرِ او نقشِ بالِ طاؤس ست — انتخابِ صراح و قاموس ست
پادشاہے کہ در قلم و حرف — کردہ ایجاد نکتہ ہائے شگرف
خامہ ہندوی پارسی دانش — ہندیاں سر بخطِ فرمانش
این رقمہا کہ ریخت کلکِ خیال — بود سطرے ز نامۂ اعمال
ازمنِ نارسائے ہیچمداں — معذرت نامہ ایست نزدِ یاراں
بو کہ آید ز عذر خواہیِ ما — رحم بر ما و بیگناہیِ ما
آشتی نامہ ودادِ پیام — ختم شد والسّلام والاکرام

جب مرزا نے دلی سے کلکتے جانے کا ارادہ کیا تھا اُسوقت راہ میں ٹھیرنے کا قصد نہ تھا۔ مگر چونکہ لکھنؤ کے بعض ذی اقتدار لوگ مدت سے چاہتے تھے کہ مرزا ایک بار لکھنؤ آئیں؛ اس لیے کانپور پہنچ کر اُنکو خیال آیا کہ لکھنؤ بھی دیکھتے چلیے۔ اُس زمانے میں نصیر الدین حیدر فرمانروا اور روشن الدولہ نائب السلطنت تھے۔ اہلِ لکھنؤ نے مرزا کی عمدہ طور پر مدارات کی اور روشن الدولہ کے ہاں بعنوانِ شایستہ

اُنکی تقریب کی گئی۔ مرزا سے اُس پریشانی کے عالم میں قصیدہ تو سرانجام نہیں ہوسکا؛ مگر ایک مدحیہ نثر صنعتِ تعطیل میں۔ جو اُنکے مسودات میں موجود ہے۔ نائب السلطنت کے سامنے پیش کرنے کے لئے لکھی تھی لیکن مرزا صاحب نے ملاقات سے پہلے دو شرطیں ایسی پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں؛ ایک یہ کہ نائب میری تعظیم دیں، دوسرے نذر سے مجھے معاف رکھا جاے۔ اسی وجہ سے مرزا۔ بغیر اسکے کہ روشن الدولہ سے ملیں اور وہ نثر پیش کریں۔ وہاں سے کلکتے کو روانہ ہوگئے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ کلکتے سے واپس آنے کے بعد اُنھوں نے ایک قصیدہ دلی سے نصیر الدین حیدر کی شان میں لکھکر ایک دوست کے توسط سے گذرانا تھا۔ اور اُسپر پانچ ہزار روپیے بطور صلے کے ملنے کا حکم ہوا تھا۔ شیخ امام بخش ناسخ نے مرزا کو لکھا کہ پانچ ہزار ملے تھے؛ تین ہزار روشن الدولہ کھا گئے؛ اور دو ہزار متوسط کو دیکر کہا کہ اسمیں سے جو مناسب سمجھو مرزا کو بھیج دو۔ مرزا صاحب نے یہ سنکر پھر کچھ تحریک کی۔ مگر تین دن بعد یہ خبر پہونچی کہ نصیر الدین مرگئے۔ پھر واجد علیشاہ کے زمانے میں مرزا نے سلسلہ جنبانی کی؛ اور پانسو روپیہ سالانہ ہمیشہ کے لئے وہاں سے مقرر ہوگئے۔ لیکن صرف دو برس گذرے تھے کہ ریاست ضبط ہوگئی؛ اور وہ دفتر گاؤخوردہ ہوگیا۔

لکھنؤ کی ایک صحبت میں۔ جب کہ مرزا وہاں موجود تھے۔ ایک روز لکھنؤ اور دلی کی زبان پر گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک صاحب نے مرزا سے کہا کہ جس موقع پر اہلِ دہلی اپنے تئیں بولتے ہیں وہاں اہلِ لکھنؤ آپ کو بولتے ہیں؛ آپ کی راے میں فصیح آپکو ہے یا اپنے تئیں؟ مرزا نے کہا فصیح تو یہی معلوم ہوتا ہے جو آپ بولتے ہیں؛ مگر اسمیں دقت یہ ہے کہ مثلاً آپ میری نسبت یہ فرمائیں کہ میں آپ کو فرشتہ خصائل جانتا ہوں، اور میں اُسکے جواب میں اپنی نسبت یہ عرض

کروں کہ مَیں تو آپ کو کتّے سے بھی بدتر سمجھتا ہوں ؛ تو سخت مشکل واقع ہوگی ۔ میں تو اپنی نسبت کھونگا اور آپ ممکن ہے کہ اپنی نسبت سمجھ جائیں ۔ سب حاضرین یہ لطیفہ سُنکر پھڑک گئے ۔ مرزا کا مطلب صرف اس قدر بیان کرنا تھا کہ آپ کو مخاطب کے لئے تو عموماً بولا ہی جاتا ہے ؛ اگر متکلم کے لئے بھی اسکا استعمال ہوگا تو بعض مواقع پر التباس واقع ہوگا ۔ اس مطلب کو اُنھوں نے اس لطیف پیرایے میں بیان کیا ۔ مگر یہ فقط ایک لطیفہ اہلِ صحبت کے خوش کرنے کے لئے تھا ۔ ورنہ اہلِ دہلی بھی اکثر بجاے اپنے تئیں کے آپ کو بولتے ہیں ؛ اسمیں کچھ اہلِ لکھنؤ کی خصوصیت نہیں ہے ۔

زبان کے متعلق مرزا کا اسی قسم کا ایک اور لطیفہ مشہور ہے ۔ دلّی میں رتھ کو بعضے مؤنث اور بعض مذکّر بولتے ہیں کسی نے مرزا صاحب سے پوچھا کہ حضرت ! رتھ مؤنث ہے یا مذکّر ؟ آپ نے کہا بھیّا ! جب رتھ میں عورتیں بیٹھی ہوں تو مؤنث کہو اور جب مرد بیٹھیں تو مذکّر سمجھو ۔

تذکرۂ آبحیات میں لکھا ہے کہ ۱۸۴۲ء میں ۔ جبکہ دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا ۔ مسٹر ٹامسن سکرٹری گورنمنٹ ہند ۔ جو آخر کو اضلاع شمال و مغرب میں لفٹنٹ گورنر ہو گئے تھے ۔ مدرسین کے امتحان کے لئے دلّی میں آئے ۔ اور چاہا کہ جس طرح سو روپیہ ماہوار کا ایک عربی مدرّس کالج میں مقرر ہے ؛ اسی طرح ایک فارسی کا مدرّس مقرر کیا جائے ۔ لوگوں نے مرزا اور مومن خاں اور مولوی امام بخش کا ذکر کیا ۔ سب سے پہلے مرزا صاحب کو بلایا گیا ۔ مرزا پالکی میں سوار ہوکر صاحب سکرٹری کے ڈیرے پر پہونچے ۔ صاحب کو اطلاع ہوئی ؛ انھوں نے فوراً بُلالیا ۔ مگر یہ پالکی

سے اُتر کر اس انتظار میں ٹھیرے رہے کہ دستور کے موافق صاحب سکرٹری اُنکے لینے کو آئینگے ؛ جب بہت دیر ہوگئی ، اور صاحب کو معلوم ہوا کہ اس سبب سے نہیں آئے ؛ وہ خود باہر چلے آئے اور مرزا سے کہا کہ جب آپ دربارِ گورنری میں تشریف لاوینگے تو آپ کا اُسی طرح استقبال کیا جاویگا لیکن اسوقت آپ نوکری کے لئے آئے ہیں اس موقع پر وہ برتاؤ نہیں ہوسکتا ۔ مرزا صاحب نے کہا گورنمنٹ کی ملازمت کا ارادہ اس لئے کیا ہے کہ اعزاز کچھ زیادہ ہو نہ اس لئے کہ موجودہ اعزاز میں بھی فرق آئے ۔ صاحب نے کہا ہم قاعدے سے مجبور ہیں ۔ مرزا صاحب نے کہا مجکو اس خدمت سے معاف رکھا جائے ؛ اور یہ کہکر چلے آئے ۔

مرزا کو شطرنج اور چوسر کھیلنے کی بہت عادت تھی ۔ اور چوسر جب کبھی کھیلتے تھے برائے نام کچھ بازی بدکر کھیلا کرتے تھے ۔ اسی چوسر کی بدولت ۱۲۶۴ ہجری میں مرزا پر ایک سخت ناگوار واقعہ گذرا ۔ مرزا نے خود اس واقعہ کو ایک فارسی خط میں مختصر طور پر بیان کیا ہے جس کا ترجمہ ہم اس مقام پر لکھتے ہیں "کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ ناواقف ؛ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں ۔ باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے ؛ میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کردیا ۔ سشن جج ۔ باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھسے دوستی اور مہربانی کے برتاؤ برتتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا ۔ اُسنے بھی اغماض اور تغافل اختیار کیا ۔ صدر میں اپیل کیا گیا مگر کسی نے نہ سُنا اور وہی حکم بحال رہا ۔ پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب آدھی میعاد گذر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں میری رہائی کی رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی کا آگیا اور حکّام صدر نے ایسی رپورٹ بھیجنے پر اُسکی بہت تعریف کی ۔ سُنا ہے کہ رحمدل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفرین کی اور